"قلندر" بہ اصطلاح اقبال

غلام محمد

بعض نئی اور اچھوتی اصطلاحوں کے لئے جہاں ہم اقبال کے ممنون ہیں وہیں اسکا اعتراف بھی ضروری ہے کہ انہوں نے بعض مسخ شدہ قدیم اصطلاحوں کو استعمال کرکے ان کو وہ معنی عطا کئے کہ اب ان کے استعمال اور انطباق میں حجاب کی جگہ لوگ فخر محسوس کرنے لگے ہیں۔ اسی نوعیت کی ایک اصطلاح ''قلندر،، ہے۔

قلندر کا اصل مفہوم

قلندر دراصل صوفیائے کرام کی وضع کی ہوئی ایک اصطلاح ہے، اسکا اطلاق ان سالکین طریق پر ہوتا تھا جنکے ظاہری اعمال کم لیکن قلبی اعمال بہت زیادہ ہوتے تھے، غیر حق کی طرف ادنی التفات سے بھی قلب کو بچائے رکھنا اور ہمہ وقت مشغول بہ حق رہنا، اپنی تجویز سے دست بردار ہو کر راضی بہ رضائے حق رہنا اور اسمیں دل کی سکنیت پانا، وردات قلبیہ کا حق ادا کئے جانا غرض ساری توجہ کا مرکز جاذبہ قلب ہی کو بنائے رکھنا یہ قلندریت کا مفہوم تھا، -- صوفیائے متقدین کے ہاں طریق قلندر کے دو اجزا تھے، ایک زہد اور دوسرے محبت، جسکا حاصل یہ نکلتا ہے کہ ایک کے ہو کر سب کو ترک کردیا جائے، -- ظاہری مستحب اور نفلی اعمال کی کثرت اور مجاہدہ و ریاضت والے طریق کے مقابلہ میں ''طریق قلندر،، زیادہ سہل اور اقرب سمجھا جاتا تھا۔ چنانچہ حضرت عراقی رح کا یہ شعر بھی اسی حقیقت کا غماز ہے --

صنمارہ قلندر سزد ار بمن نمائی
کہ دراز و دور دیدم رہ و رسم پارسائی

مسخ شدہ مفہوم

مگر جب صوفیاء کی بزم صاف میں اہل ہوا و ہوس گھس آئے اور رفتہ رفتہ یہ بزم قدس شوقیا (بازاری لوگوں) کا بازار بن گئی تو گو بولی وہی رہی مگر اسکے منشاء و مفہوم میں نری بازاریت آگئی، سر اور چار ابرو کی صفائی قلندریت کا شعار سمجھا جانے لگا۔ اب قلندر عام تماشائیوں کی نگاہوں کے لئے ایک تفریحی سامان بن گیا۔ اسکا لباس، اسکی زبان

اسکے اطوار سب سنجیدگی، عزت نفس اور خدا آشنائی پر ایک رکیک طنز بن کر رہ گئے، ــــ ثقہ لوگ اگر ان قلندروں اور ایسی قلندریت سے متنفر ہوگئے تو ہوتا ہی چاہئے تھا، خود سچے صوفی تو ان سے بھی زیادہ اس جاہل طبقہ سے بیزار رہے بلکہ کھلم کھلا ان پر رد بھی کیا ــ

نہ ہر کہ چہرہ بر افروخت دلبری داند
نہ ہر کہ آئینہ دارد سکندری داند
ہزار نکتۂ باریک تر زمو اینجاست
نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند

اقبالی مفہوم

بہرحال اقبال نے پھر اس اصطلاح کو لیا مگر اسکے بگڑے ہوئے مفہوم کو بدل کر اور اسکے منشاء کو نکھار کر ! ــ تعلیمات اقبال کی رو سے عرفان نفس، تمکین، رضا بالقضا، استغناء، عالی ہمتی، عمل پیہم اور جہاد ''قلندریت،، کے اجزائے ترکیبی

اسکی تشریح

ہیں ۔ رب حقیقی کو پہچاننے کا سہل راستہ خود اپنے نفس میں اسکی ربوبیت کا مشاہدہ ہے، یہ کیسے ممکن ہے کہ میں اپنے آپ کو ہمہ وقتی تربیت میں پاؤں اور پھر بھی کسی کو مربی نہ مانوں، اسی لئے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے یہاں تک فرمایا کہ من عرف نفسہ فقد عرف ربہ، کہ جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا بلا شبہ اسنے اپنے رب کی معرفت حاصل کرلی ۔ معرفت الٰہیہ کی اسی راہ کو علامہ اقبال نے بڑے زور شور سے اور نہایت موثر پیرایوں میں پیش فرمایا بلکہ یہ کہنا مبالغہ نہیں کہ ان کی تعلیمات کا مرکز و محور ہی یہی نقطہ ہے جسکو وہ ''خودی،، کی اصطلاح سے تعبیر کرتے ہیں ۔ چنانچہ قلندریت (جو دراصل مسلمان کی انفرادیت کا اقبالی نگاہ میں مثالی نمونہ ہے) کے لئے بھی پہلا زینہ اسی عرفان نفس کو قرار دیتے ہیں اور اس حقیقت کو خود قلندر کی زبان سے اپنی ذات کو مخاطب بنا کر عبرت خیز پیرایہ میں بیان کرتے ہیں ــ

پانی پانی کر گئی مجھکو قلندر کی یہ بات
تو جھکا جب غیر کے آگے نہ من تیرا نہ تن

عرفان نفس کا لازمی نتیجہ تمکین اور رضا بالقضا ہے، قلندر اپنی خودی کو اسقدر ارفع و اعلی کر چکتا ہے کہ وہ عین خودیٔ مطلق کے تابع ہو جاتی ہے،

اسکا ظل و عکس بن جاتی ہے، ایک ہی حقیقت کے دو رخ ہوتے ہیں جسکو خواہ ایک جہت سے مطالبۂ حق کہئے خواہ دوسری جہت سے تمنائے عبد کہہ لیجئے، اسی لئے زمانہ کے مدو جزر سے قلندر کے چہرۂ طمانیت پر رنج و الم کی ایک بھی شکن آنے نہیں پاتی، جو مصیبت بھی اسپر آتی ہے، اسکو وہ پیمان محبت کی آزمائش سمجھکر خوشی خوشی جھیلتا اور اپنے محبوب کی رضا کو پاتا چلا جاتا ہے، وہ خوب جانتا ہے کہ جادۂ محبت کو محبوب نے بنایا ہی کسی قدر پر خطر اور پر درد ہے:

ولنبلونکم بشیٔ من الخوف و الجوع و نقص من الاموال والانفس والثمرات وبشر الصابرین الذین اذا اصابتھم مصیبة قالو انا لله وانا الیه راجعون

یقیناً ہم آزمائینگے تم کو کسیقدر خوف، بھوک، مالی نقصان، جانی نقصان اور اولاد و زرعی نقصان سے، اور صبر کرنیوالوں کو خوشخبری سنا دیجئے جنکا یہ حال ہے کہ جب ان پر مصیبت آ پڑتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم تو الله ہی کے لئے ہیں اور اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں!

یہ ایقاق اسکو ہر ماسویٰ حتی کہ اپنی جان سے بے پروا کر دیتا ہے، اسکا مال چھن جائے، جاہ جاتی رہے بلکہ خود جان ہی پر کیوں نہ آبنے وہ کسی وقت بھی ''سم غم،، کھا نہیں سکتا، کیوں کہ اسکا ایمان ہے کہ محبوب کا ہر ''لین،، دراصل ''دین،، ہی کے لئے ہے —

ان الله اشتری من المومنین انفسھم و اموالھم بان لھم الجنة

بلاشبہ الله تعالیٰ نے مومنوں کی جانیں اور ان کے اموال جنت کے عوض خرید لئے ہیں۔

اسی حقیقت کی ترجمانی اقبال کی زبانی سنئے —

دم زندگی، رم زندگی، غم زندگی، سم زندگی
غم رم نہ کر، سم غم نہ کھا کہ یہی ہے شان قلندری

اقبال کے اس خیال کی تائید مشہور متقدم صوفی حضرت ابراھیم بن ادھم رح کے اس قیمتی ارشاد سے بھی ھو جاتی ہے کہ: —

''ھمارے دلوں پر تین پردے ھیں، جب تک وہ دور نہیں

ہوئے تب تک بندہ میں یقین پیدا نہیں ہوتا : (۱) موجود سے خوش ہونا (۲) مفقود پر غم کرنا (۳) تعریف سے خوش ہونا، پس جو کوئی موجود سے خوش ہوتا ہے وہ حریص ہے، اور جب مفقود پر رنج کرتا ہے تو غصہ کرنے والا ہے اور غصہ والے کو عذاب ہوتا ہے اور جب تعریف سے خوش ہوتا ہے تو تعجب کرنے والا ہے اور عجب عمل کو باطل کر دیتا ہے،،۔
(احیاء العلوم باب ''فقر و زہد،،)

غرض قلندر وہی ہے جو غم و خوشی کے جذبات سے برتر تسلیم و رضا اور تمکین و وقار کی شان کا حامل ہو،

مسرت والم کی جب نفی ہوگئی تو خوف و حرص کو بھی ایسے شخص سے کوسوں دور رہنا، چاہئے جسکے دل میں خوف، یعنی آئندہ نقصان کے تصور کا خدشہ ہوگا وہ جہد زندگانی میں کیا جوہر مردانہ دکھا سکیگا۔ خائف تو ''راکب،، ہونے کے بجائے حوادث زمانہ کا ''مرکب،، بن جائیگا، صدق و صفا سے ہٹ کر کذب، و نفاق اسکا مسلک بن جائیگا جو قلندرانہ وصف کے یکسر خلاف ہے۔ اسی لئے اقبال کے نزدیک قلندر کا وصف بیباکی اور ہزار خطرات میں بھی زبان و قلب کی یگانگت ہے۔

ہزار خوف ہو لیکن زباں ہو دل کی رفیق
یہی رہا ہے ازل سے قلندروں کا طریق

حقیقت یہ ہے کہ قادر و قیوم ذات سے محبت کا رشتہ جب استوار ہو جاتا ہے تو خوف و ہراس کا ہرشائبہ دل سے محو ہو جاتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ میرا ''ولی،، تو وہ ہے جسکی فوجیں ارض وسما کی پہنائیوں میں پڑاؤ ڈالی ہوئی ہیں، اور اس ''ولی،، سے سچا اور اچھا کوئی اور ولی ہے بھی نہیں اس ''ولایت خاصہ،، کے یقین ہی سے سرشار ہو کر وہ سرو سامان نہ رکھتے ہوئے بھی سر کی بازی لگا دیتا ہے، اور ہر غیر الٰہی قوت سے ٹکرا کر زمانہ کے ورق پر یہ نقش ثبت کردیتا ہے کہ ۔۔

حدیث بے خبراں است با زمانہ بساز — زمانہ باتو نہ سازد تو با زمانہ ستیز

اور یہ کہ ۔۔

سپہرومہ وانجم کا محاسب ہے قلندر — ایام کا مرکب نہیں راکب ہے قلندر

وہ اپنے حال کی تصدیق کے ساتھ اس بات کا یقین دوسروں میں پیدا کردیتا ہے کہ : —

''مسلم تو وہ خاک نہیں کہ خاک اسے جذب کرسکے۔ یہ ایک قوت نورانیہ ہے جو جامع ہے جو امر موسویت و براھمیت کی آگ اسے چھو جائے تو بردو سلام بن جائے پانی اسکی ہیبت سے خشک ہو جائے، آسمان و زمین میں یہ سما نہیں سکتی کہ یہ دونوں ہستیاں اسمیں سمائی ہیں، پانی آگ جذب کر لیتا ہے، عدم بود کو کھا جاتا ہے، پستی بلندی میں سما جاتی ہے مگر جو قوت جامع اضداد ہو اور محلل تمام تناقضات کی ہو اسے کون جذب کرسکے ؟ مسلم کو موت نہیں چھو سکتی کہ اسکی قوت، حیات و موت کو اپنے اندر جذب کرکے حیات و ممات کا تناقض مٹا چکی،،
(اقبال نامہ حصہ اول صفحہ ۴۱)

غرض خوف تو یوں مٹا، حرص کا طلسم بھی دیکھئے کہ ٹوٹ جاتا ہے۔ اقبالی قلندر تارک دنیا ہرگز نہیں اسلئے جائز راستوں سے دولت کا انبار بھی اسکے قدموں پر لگ سکتا ہے اور زمین پر اللہ کا خلیفہ ہونے کی وجہ سے تاج و تخت بھی اسکے زیر نگین آسکتا ہے مگر ان میں سے کوئی چیز بھی اسکو اپنی طرف کھینچ نہیں سکتی۔ وہ سب کچھ رکھتے ہوئے سب سے الگ تھلگ، اپنے آقا و مولیٰ کا عبد محض بنا رہتا ہے، بقول عارف نیری (حضرت شاہ شرف الدین یحییٰ قدس سرہ : —

''با وجود ملک دو عالم خود را بے نوا و مفلس داند،،

آگے اسکی وجہ جو بیان ہو رہی ہے وہ دل کے کان کھول کر سننے اور محرک عمل بنانے کی چیز ہے کہ : —

''و بہ ہمت از دو کون برگزرد،،
(دیکھو مکتوبات سی صدی)

جسکے قلب حقیقت آگاہ میں فانیات کی یہ حیثیت رہ جائے تو حرص و لالچ کے ہزار کمند بھی پھر اسکی بے پروا روح کا شکار کیسے کرسکتے ہیں ؟ اقبال کے نزدیک ''قوت حیدری،، کا راز اسی میں مضمر ہے اور یہی قلندر کا وصف عالی ہے، اسی لئے نصیحت فرماتے ہیں : —

تری خاک میں ہے اگر شرر تو خیال فقر و غنا نہ کر
کہ جہاں میں نان شعیر پر ہے مدار قوت حیدری
سبب کچھ اور ہے تو جسکو خود سمجھتا ہے
زوال بندۂ مومن کا بے زری سے نہیں
اگر جہاں میں مرا جوہر آشکار ہوا
قلندری سے ہوا ہے تونگری سے نہیں

اسی روحانی قوت کے اثر سے قلندر کی ایک ایک ادا معجز نما ہو جاتی ہے، اسکی ایک نظر وہ کچھ فتوحات کر جاتی ہے جو کسی بادشاہ کی فوجیں کر نہیں سکتیں اور اگر کریں بھی تو نتائج رحمانی کے بجائے شیطانی ظاہر ہوتے ہیں۔ خوب فرمایا حضرت اقبال نے ـــ

دبدبۂ قلندری، طنطنۂ سکندری
آں ہمہ جذبۂ کلیم ایں ہمہ سحر سامری
آں بہ نگہ می کشد ایں بہ سپاہ می کشد
آں ہمہ صلح و آشتی، ایں ہمہ جنگ و داوری

اس مقام قلندریت کے لئے جسطرح زر کی کوئی اہمیت نہیں اسی طرح مجرد علم جو عرفان خودی کا باعث نہ بن سکے محض فضول ہے، قلندر تو ایسے علم سے بچتا رہتا ہے جس سے دماغ ''غزالان افکار کا مرغزار،، بنا رہے اور جس سے بجز ''گمانوں کے لشکر،، کے کچھ ہاتھ نہ آئے، اسکا علم قلیل لیکن حقیقی و یقینی ہوتا ہے۔ علم برائے علم اسکے نزدیک جہل ہے ـــ

قلندر جز دو حرف لا الہ کچھ بھی نہیں رکھتا
فقیہ شہر ہے قاروں لغتہائے حجازی کا

''لا الہ الا اللہ،، کے یقینی علم سے قلندر کی زندگی جہد مسلسل بن جاتی ہے، اس کا فقر کرویوں پر شبخون مارتا ہے اسکے بوریئے کی شکوہ سے سلاطین کے محل میں زلزلہ پڑ جاتا ہے، گو وہ کم سخن ہوتا ہے مگر اسکی ایک سانس ہزار انجمنوں کی گرمی کا باعث ہوتی ہے، اس کا جلال گوارا نہیں کر سکتا کہ ''آذریت،، دیکھے اور ''خلیل اللہی،، نہ دکھائے، سامری طلسم ہو اور عصائے کلیمی نہ چلائے، وہ کوئی بجھی ہوئی چنگاری نہیں بلکہ شعلۂ جوالہ ہے بلکہ شعلہ سامانی کی عملی دعوت ہے ـــ

رسم قلندری بیار، سد سکندری شکن
رسم کلیم تازہ کن، رونق ساحری شکن

غرض قلندر نرالی شان کا حامل ہوتا ہے کہ خرقہ پوشی کے باوجود بادشاہوں سے خراج وصول کرتا ہے، جلوت میں ہوتا ہے تو چاند تاروں پر کمند پھینکتا ہے اور خلوت میں آتا ہے تو زمان و مکان کے سارے تعینات اپنی خودی میں گم محسوس کرتا ہے، اسکی حقیقت بین نگاہ دنیا کے ہر نمود میں محبوب حقیقی کا جلوہ دیکھتی ہے، وہ کہیں سراپا جمال ہے اور کہیں سر تا سر جلال —

قلندراں کہ براہ تو سخت می کوشند
ز شاہ باج ستانند و خرقہ می پوشند
بجلوت اند و کمندے بہ مہر و مہ پیچند
بخلوت اند و زمان و مکان در آغوشند
دریں جہان کہ جمالے تو جلوہ ہا دارد
ز فرق تا بقدم دیدہ و دل و گوشند
بروز بزم سراپا چوپرنیان و حریر
بروز رزم، خود آگہ و تن فراموشند

یہ ہے اقبالی قلندر کی سج دھج ! — کہاں یہ دانا، بینا، توانا، را کب ایام قلندر اور کہاں وہ مجبور، مقہور، تہی دست اور تاریک قلب پروردۂ فرنگ پیر جسکی نسبت خود اقبال نے بگڑ کر کہا ہے —

بندۂ رد کردۂ مولاست او — مفلس و قلاش و بے پرواست او
نہ بہ کف مالے کہ سلطانے برد — نہ بہ دل نورے شیطانے برد
شیخ او لرد فرنگی را مرید — گرچہ گوید از مقام با یزید

اقبالی قلندر کی جو تشریح پیش کی گئی وہ محض تصوراتی چیز نہیں بلکہ اقبال نامہ (مکاتیب اقبال) کے مطالعہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ خود علامہ اقبال کی نگاہ میں اس کی مصداق شخصیتیں موجود تھیں اور رہینگی۔ چنانچہ اپنے معاصر شہیر علامہ سید سلیمان ندوی جنکو کبھی وہ بہ کمال بے نفسی ''استاذ الکل'' اور کبھی ''اسلام کی جوئے شیر کا فرہاد'' کے القاب سے یاد کرتے

ھیں۔ انہی کو ایک مکتوب میں خطاب کرکے فرماتے ھیں کہ آپ تو ان میں سے ھیں جنکے متعلق اقبال نے کہا ھے کہ ـــ

قلندراں کہ بہ راہ تو سخت می کوشند
ز شاہ باج ستانند و خرقہ می پوشند

اس سے ثابت ھوا کہ اقبالی قلندر یکسر عملی مگر نہایت امتیازی اوصاف کا حامل ھے ۔